© rasailojaraid.com

انٹرویو

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

[سابق ڈائریکٹر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور]

[دوسری اور آخری قسط]

سوال: بات ہو رہی تھی، اخوان اور ناصر کے درمیان تصادم کی؟

جواب: واقعہ یہ ہے کہ جہاں تشدد آتا ہے، وہاں سے شرافت اور کامیابی رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ چیز خود حسن الباقوری نے اپنی کتاب ''بقایا ذکریات'' میں لکھی ہے۔ جو قاہرہ میں چھپی ہے۔ باقوری پہلے اخوان المسلمون میں تھے، بعد میں ناصر کی کابینہ میں وزیر اوقاف بن گئے تھے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ اخوان میں ایک گروہ تشدد پسندوں کا تھا، توڑ پھوڑ اور تشدد کی کارروائیوں کا ذمہ دار یہی گروہ تھا جو حسن البنا کے علم کے بغیر یہ کام کرتا تھا۔ جب نقراشی پاشا قتل ہوا تو حسن البنا کو خیال ہوا کہ اب حکومت انہیں قتل کرا دے گی۔ چنانچہ اُنھوں نے حسن باقوری کو بلایا اور کہا، مَیں نے خواب میں تین دفعہ دیکھا ہے کہ مَیں ایک اونٹنی پر بیٹھا ہوں، اس کے آگے ایک دوسری اونٹنی ہے اور اس کی مہار حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ہاتھوں میں ہے۔ مَیں تھوڑی دور چلا گیا پھر الگ ہو گیا، پھر چلا پھر الگ ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ آخری گھڑی آن پہنچی ہے، مَیں مزید زندہ نہیں رہوں گا۔ تم اس تحریک کا خیال رکھنا۔ اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرامن طریقے سے لے کر چلنا۔ حسن الھضیبی کے ایک بھتیجا سمیر الھضیبی، اور ان کے ایک دوست احمد رائف سے برابر ملاقاتیں رہیں۔ خاکسار نے ان سے کہا کہ یہ جو تشدد پسندانہ کارروائیاں ہیں، یہ مسلمان معاشروں میں ٹھیک نہیں۔ حسن البنا خود بھی تشدد پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء میں حسن الھضیبی پر جو مقدمہ چلا تو اس دوران اس نے ایک بڑی اچھی بات کہی۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا مغرب کے سیکولر اور اسلامک لاء میں کوئی مطابقت ہے؟ تو اس نے کہا تھا کہ بعض باتوں میں مطابقت ہے۔ اگر کوئی قانون خواہ اس کا ذکر اسلام میں نہ ہو، انسانی وقار کو بحال کرنے کے لیے عمل میں آتا ہے تو ہم اس کی تائید کرتے ہیں لیکن جہاں وہ اسلامی اصولوں سے ٹکراتا ہے، اس کی ہم مخالفت کریں گے۔ مثلاً مغرب میں اگر مرد اور عورت ناجائز تعلقات رکھنا چاہیں جس میں ان دونوں کی مرضی شامل ہو تو یہ قانون کی نظر میں کوئی جرم نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلام کی نظر میں سراسر جرم ہے۔ حسن الھضیبی نے کتاب لکھی ہے: 'دعاۃ الاقضاۃ'۔

یعنی ہم داعی ہیں، کسی پر فیصلے ٹھونستے نہیں ہیں۔ اخوانیوں میں ایک تیسری خوبی یہ تھی کہ یہ لوگ لین دین کے معاملے میں انتہائی اخلاقی لوگ تھے۔ آپ اُن کے خیالات سے اتفاق کریں یا نہ کریں، وہ معاملات میں عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ افسوس ہوتا ہے کہ ناصر اور اخوانیوں کے درمیان تصادم ہوگیا۔ کاش نہ ہوتا۔

سوال: پاکستان میں اخوانیوں کے مقابلے میں ناصر کے خلاف بہت پروپیگنڈہ ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ کیا ناصر اور اخوان کے درمیان تصادم کی آگ بھڑکانے میں پسِ پردہ مغربی طاقتوں کا بھی کوئی کردار تھا؟

جواب: تصادم کی نوبت دراصل اخوان کے ایک تشدد پسند گروپ کی وجہ سے آئی تھی۔ جیسا کہ شیخ باقوری نے لکھا بھی ہے۔ اب تو بہت سی دستاویزات بھی چھپ گئی ہیں۔ جہاں تک مغرب کا تعلق ہے تو وہ لوگ تو اپنا مفاد ضرور دیکھیں گے۔ یہاں پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ ناصر یہودیوں کا ایجنٹ ہے۔ حالانکہ آپ دیکھیں جب ناصر نے وفات پائی تو اس کے پاس ایک پیسہ نہیں تھا۔ وہ کمیونسٹ نہیں تھا۔ اس کے مرنے کے بعد حکومت اس کے بچوں کو خرچ دیتی رہی۔ مصر کا مشہور و معروف صحافی حسین ہیکل ناصر کے بہت قریب تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ مَیں دریائے نیل میں کشتی میں بیٹھا سیر کر رہا تھا۔ اچانک عبدالناصر کی کشتی (جہاز) نظر آئی۔ مَیں اُن کی کشتی میں گیا تو دیکھا وہ عام مصری کھانا (چنے) کھا رہا تھا۔ مَیں نے پوچھا، آپ یہ کھانا کھاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں یہی کھانا ہے جو ایک عام آدمی کھاتا ہے۔ پھر حسین ہیکل کہتا ہے کہ ایک دفعہ مَیں قصرِ جمہوریہ گیا تو ناصر اچانک باہر آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا .A.D.C سے کہہ رہا تھا کہ مجھے فلاں جگہ جانا ہے، میرے لیے ٹرانسپورٹ کا بندوبست کر دو۔ ناصر نے کہا، تم بس میں جاؤ تا کہ تمھیں پتہ چلے کہ عام آدمی کیسے سفر کرتا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ حسین ہیکل نے امام خمینی پر انگریزی میں ''خمینی کی واپسی'' (Return of Ayatu Allah Khumaini) کے نام سے ایک کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھی ہے، ہمارے نوجوانوں اور دانشوروں کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ اسرائیل کی خفیہ پولیس کے رابطے کس کس مسلم ملک کی پولیس سے تھے۔ برطانیہ کے ایک سابق وزیراعظم مسٹر ایڈن کی ڈائری تین جلدوں میں چھپ گی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شخص (ناصر) ہمارے لیے خطرناک آدمی ہے۔ ایڈن نے مغربی لیڈروں کو خفیہ خط لکھے کہ اگر ناصر پر کنٹرول نہ کیا گیا تو اس سے ہمیں وہی نقصان پہنچے گا جو عربوں کے پہلے زمانہ (اقتدار میں) ہمیں پہنچا تھا۔ ناصر جو عرب یونٹی کی بات کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے اسلام کی یونٹی۔ یہ ایڈن ہی تھا جس نے ۱۹۵۶ء میں فرانس کے ساتھ مل کر نہر سویز پر حملہ کیا تھا۔ ناصر کے خلاف ادھر بھی پروپیگنڈہ بہت ہوا۔ ایوب خان اپنے دورِ حکومت میں قاہرہ گئے۔ اُنھوں نے ''فرینڈز ناٹ ماسٹرز'' میں لکھا ہے کہ مَیں نے ناصر سے کہا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ میں ہم آپ کے کردار کو مانتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارے سابق حکمرانوں سے یقیناً غلطی ہوئی تھی۔ وقت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ۱۹۵۶ء میں مصر پر برطانوی حملے کی مذمت ہم نے نہیں کی، لیکن ہندوستان نے کھل کر مصری حکومت کے موقف کی تائید کرتے ہوئے برطانوی حملے کی مذمت کی۔ ہمارا وزیرِ خارجہ حمید الحق چودھری انگریزی بولی بول رہا تھا کہ سویز انٹرنیشنل تحویل میں دے دی جائے۔ آج دیکھیں عربوں کا سارا پٹرول مغرب کے قدموں میں ہے۔ ابھی ایک سال پہلے خلیجی ریاستوں نے فرانس، برطانیہ اور امریکہ کو اربوں ڈالر اظہارِ تشکر کے طور پر دے دیئے تھے کہ آپ نے ہمیں کویت عراق جنگ میں بچالیا۔ چیچنیا کو دیکھ لیں، ابھی کل اطلاع آئی تھی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو لاکھ آدمی گھروں سے نکلے تھے لیکن جہاں پناہ لینی تھی، نہیں ملی تو اب مجبوراً واپس جا رہے ہیں۔ یہ ہے بے بسی کی کیفیت ہے۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ اُن کے چند آدمیوں نے ماسکو پر حملہ کیا تھا تو اس کا انجام اتنا ہولناک ہوگا۔ اقبال نے سچ کہا:

کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی

اب اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان صرف اتنا بیان دینا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ چیچنیا میں ہو رہا ہے، اس پر ہمیں تشویش ہے۔ حالانکہ امریکہ، یا دوسری مغربی طاقتیں اگر سنجیدگی سے کوئی ٹھوس موقف اختیار کرتیں تو چیچنیا کے خلاف روس کی یلغار رُک سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ بلند مقاصد کے حصول کے لیے وسائل بھی بلند یا پُرامن ہونے چاہئیں اور قانونی جنگ کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ یہ زبردست کامیاب ہتھیار ہے۔ نیلسن منڈیلا کی مثال لے لیں۔ وہ ستائیس سال جیل میں رہا۔ اس کے بعد وہ گوری قوم جو پانچ سو سال سے وہاں حکمران تھی اور اقلیت میں تھی، اس نے بالآخر اقتدار طشتری میں رکھ کر پیش کر دیا کہ ہم ہار گئے تم جیت گئے۔ مغرب میں نیلسن منڈیلا کی جو سوانح حیات چھپی ہیں، اُن میں لکھا گیا ہے کہ منڈیلا نے سیاسی اخلاق سے اپنے حریفوں کو غیر مسلح کر دیا ہے، یہ سب کچھ منڈیلا کے بے پناہ صبر تحمل اور بردباری کی بنیاد پر ہوا۔ دولتِ مشترکہ کے ایک اجلاس میں ملکہ برطانیہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں فخر ہے کہ منڈیلا جیسا انسان دولتِ مشترکہ میں ہے۔ امریکی صدر کلنٹن جب اسے ملنے جنوبی افریقہ گیا تو اس نے وہ جیل دیکھی جہاں نیلسن منڈیلا نے پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستائیس سال گزارے تھے۔ کلنٹن نے کہا، آپ نے بڑا کام کیا ہے لیکن ہمارے دل میں آپ کے بارے میں کچھ تحفظات ہیں۔ وہ یہ کہ آپ قذافی اور کیوبا کی تائید کیوں کرتے ہیں؟ منڈیلا نے جواب دیا کہ مشکل وقت میں جن لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے، ہم ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اسی چیز کی آج ہمیں بھی ضرورت ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں قرآن نے فرمایا: ''یعلّمھم الکتاب والحکمۃ'' آپ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے ساتھ اُن کا تزکیۂ نفس بھی کرتے ہیں۔ عقاد نے تین کتابیں لکھیں، عبقریہ محمدؐ، عبقریہ ابی بکرؓ اور عبقریہ عمرؓ۔ علماء نے بجا طور پر اعتراض کیا کہ عقاد نے پیغمبرؐ کو مقامِ نبوت سے نیچے اُتار کر عبقریت کی کرسی پر بٹھا دیا اور یوں سب کو برابر کر دیا۔ تو اس نے اعتراف کر لیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے تعلیم اور تزکیہ نفس کا جو فریضہ انجام دیا تھا، آج دُنیا میں اسی تعلیم و تربیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ صد افسوس کہ آج ٹیلی ویژن اور صحافت نے انسان کو کتاب اور اپنے آپ سے دُور کر دیا ہے۔

سوال: کتاب سے آپ کی دوستی کب ہوئی؟

جواب: کتاب سے مضبوط پیمانِ وفا یا پکی دوستی کا معاہدہ تو لندن میں جا کر ہوا۔ خاکسار نے شعلہ بیان حضرات کی تقریریں بہت سنی ہیں۔ ظفر علی خان مرحوم تعلیم کے مقابلہ میں ذوقِ جنون کو بہتر جانتے تھے اور کتاب پر تیغ و خنجر کو ترجیح دیتے تھے۔ خاکسار جب لندن پہنچا تو غالب کے اس شعر کی حقیقت معلوم ہوئی وہ کہتا ہے:

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترکی کی خالدہ ادیب خانم نے لکھا ہے کہ انگریزی شاعری خوبصورت شاعری ہے لیکن انگریز اس سے رات کے وقت لطف اندوز ہوتا ہے۔ زندگی یا زمین کے حقائق کو انھی کے صحیح تناظر میں حل کرتا ہے، اس وقت وہ شاعری کو قریب آنے نہیں دیتا۔'' افسوس! ہم نے برصغیر میں اپنی سیاست کو بھی مشاعرہ بنا دیا ہے۔ برصغیر کے ایک سابق وائسرائے نے ''مشکلات کے نو سال'' میں لکھا ہے کہ جب ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کے سیاسی رہنما گول میز کانفرنس میں شامل ہوئے، تو بادشاہ نے انہیں عشائیہ پر بلایا۔ جب کھانے کے بعد ہر رہنما بادشاہ سے مصافحہ کا شرف حاصل کر کے واپس جا رہا تھا تو بادشاہ نے گاندھی جی سے مصافحہ کرتے ہوئے (خلاف آداب) یہ کہا کہ گاندھی جی! مَیں اپنی قلمرو میں کسی لیڈر کو کوئی مسئلہ (Trouble) پیدا کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ جس کا ہمیں ڈر تھا وہی ہوا۔ پاس کھڑے ہوئے وزیراعظم اور دوسرے لوگ یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئے، لیکن گاندھی جی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ حضور مَیں ابھی ابھی آپ کی میزبانی سے لطف اندوز ہوا ہوں، اس لیے سیاست پر بات نہیں کروں گا۔ مرحوم عاشق حسین بٹالوی نے اس واقعہ پر مجھ سے کہا کہ اگر یہ بات بادشاہ گاندھی جی کے بجائے محمد علی جوہر سے کہہ دیتا تو محمد علی جوہر وہیں تلوار لہراتے ہوئے بول اُٹھتے:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

آزادی کے بعد ہم نے یا ہماری سیاست نے جو روش اختیار کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے بری طرح ہماری اجتماعی زندگی کو تاراج کیا۔ کچھ عرصہ تک معاملہ زیادہ نہیں بگڑا تھا۔ غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان فاش سیاسی غلطیوں کے باوجود لین دین میں کرپٹ نہیں تھے۔ وہ کوئی ذاتی خط لکھتے تو اپنی جیب سے پیسے دیتے، اُن کے ذاتی مہمان آ جاتے تو اُن کی تواضع اپنی جیب سے کرتے۔ اس کے بعد تو صورتحال بہت مایوس کن ہوگئی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ جب تک انسان کی معنوی زندگی درست نہیں ہوتی اس وقت تک نہ تو کوئی اصلاحی قدم اُٹھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ خاکسار نے ایک دفعہ مرحوم پروفیسر آربری کے ترجمہ پر اُن سے بات کی، کہ بعض مقامات پر سقم پایا جاتا ہے۔ جب انہیں دلیل سے بتایا گیا، تو آربری کہنے لگے کہ تمہاری بات صحیح ہے۔ پھر پوچھا کیا کرتے ہو۔ تم کیمبرج آ جاؤ میرے پاس۔ اب دیکھئے کس طرح اللہ پاک کی یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ ان راہوں سے دیتا ہے جن کا انسان کو گمان تک نہیں ہوتا۔" یہ تجربہ ہے میرا۔ پٹنہ کے ایک ہندو نے ایک دفعہ کہا تھا کہ حضرت محمدؐ نے یہ جو کہا تھا کہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ تو اس میں حضرت محمدؐ کا تجربہ بول رہا تھا۔

آپ نے مطالعہ کا پوچھا ہے تو بتاؤں کہ مجھے بچپن ہی سے مطالعہ کی عادت پڑ گئی تھی۔ ایک زمانے میں مجھے علامہ اقبال کی بالِ جبریل کا اکثر حصہ زبانی یاد تھا۔ ۱۹۷۸ء میں جب مَیں اسلام آباد میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کا ڈائریکٹر تھا تو ضیاء الحق کے دور میں مجھے وہاں سے فارغ کر دیا گیا۔ [illegible] میں جب ضیاء الحق صاحب سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے ''گناہوں'' کی فہرست گنوائی۔ تو اس میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ مَیں اقبال کے خلاف ہوں۔ خاکسار نے کہا مجھے آج بھی بالِ جبریل آدھی یاد ہے جو لوگ میرے خلاف یہ مہم چلا رہے ہیں، اُن کا آپ امتحان لے لیں اُن کو اقبال کتنا یاد ہے۔ رہا یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی کا مرید ہوں تو مرید نہیں، معتقد ہوں۔ میرے والد بھی اُن کے معتقد تھے۔ ان کا اگر کوئی اختلاف اقبال سے ہوا ہو، تو وہ علمی نوعیت کا تھا۔ قاہرہ سے لندن گیا تو پتہ چلا کہ یونیورسٹی کے اندر نہ کوئی انگریز ہے نہ کوئی مسلمان۔ جو شخص کام کرتا ہے اس کی عزت کی جاتی ہے۔ دوسری خوبی اُن میں یہ ہے کہ انگریز زیادہ بولتا نہیں خاموش رہتا ہے۔ آپ اس کے سامنے تقریر کریں، فضائل گنوائیں اسلام کے، اسے بتائیں کہ اسلام کا زبردست سیاسی نظام ہے، وہ کچھ نہیں بولے گا۔ منہ دوسری طرف کر لے گا۔ اسے گالیاں دیں وہ پھر بھی چپ رہتا ہے۔ آخر کوئی کمال تو ہے اُن لوگوں میں۔ غور تو کریں ذرا آپ کہ وہ یہاں دو سو سال حکومت کر گیا، ہم پچیس سال بھی اکٹھے نہیں رہ سکے، مشرقی اور مغربی پاکستان والے یا بہ قول عاشق حسین بٹالوی: پنجابی اور بنگالی اکٹھے نہیں رہ سکے۔

صوفی لوگ کہتے ہیں کہ اپنے نفس پر کنٹرول کرنا، ہوا میں اڑنے سے بہتر ہے۔ تو آربری کا زیادہ شغل تصوف سے تھا۔ اس نے عربی اور فارسی کی کلاسیکل کتابوں کے ترجمے انگریزی میں کیے تھے۔ پھر وہ کیمبرج یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ ڈیپارٹمنٹ کا پروفیسر بنا۔ وہ ابنِ عربی کی قبر پر مراقبہ کے لیے دمشق گیا۔ دوسرے سال وہ قاہرہ میں ابنِ فارض کی قبر پر فاتحہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھنے گیا۔ کسی سے نہیں ملا، واپس چلا گیا۔ خاکسار نے پوچھا، آپ کے اُدھر کئی دوست ہیں، آپ اُن سے نہیں ملے؟ اس نے کہا یہ میرا روحانی سفر تھا۔ مَیں اس دوران کسی سے ملاقات کرنے کی اپنے آپ کو اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

سوال: لندن میں آپ نے زیادہ تر مطالعہ کس چیز کا کیا؟

جواب: میرا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس پر بہت پڑھا۔ اصل میں اس رجحان کی ابتدا بستی کے اس مدرسے سے ہوئی تھی جہاں مولانا محمود حسن اور مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہمیں پڑھاتے تھے۔ یہ سُن کر آپ کو تعجب ہوگا کہ میرے نانا اَن پڑھ تھے، وہ بستی کے رہنے والے تھے۔ اکثر اجمیر، دہلی اور پاکپتن جاتے رہتے اور ہمیں روحانی قصے سنایا کرتے تھے۔ وہ مجھے آج تک نہیں بھولے۔

سوال: تو آپ نے پھر کس موضوع پر کام کیا تحقیق کا؟

جواب: پروفیسر آربری نے مجھ سے کہا کہ ''تم ''رسالہ القشیریہ'' کے مصنف عبدالکریم القشیری کی ایک دوسری کتاب ''لطائف الاشارات'' جو قرآن کی تفسیر پر ہے، کام کرو۔ چونکہ قرآنی تفاسیر میرے موضوع میں شامل تھیں، اس لیے وہ بھی میرے مطالعے کا خاص حصہ بن گئیں۔ اُردو تفسیریں تو ساری پڑھیں۔ اسی دور میں مجھے شدت سے احساس ہوا کہ دوسروں کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ ویسے میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان تھا: ''دسویں صدی عیسوی تک لکھی گئی روایتی، عقلی، صوفیانہ تفسیروں کا جائزہ، خاص طور پر ابوالقاسم قشیری کے حوالے سے''۔ آربری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگران تھے۔ یہ مقالہ چھپ گیا۔ بعد میں اس کا ترجمہ ملائشی زبان میں بھی ہو گیا تھا۔

اُردو میں مقالے کا ترجمہ ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ پھر بنگالی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔

سوال: آپ نے تفسیروں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تو آپ مولانا آزاد کی تفسیر کے بارے میں کچھ بتائیں۔

جواب: خاکسار نے محمد اسد (لیوپولڈ، ویس) اور دوسری انگریزی تفسیروں کا موازنہ کیا تھا، ایک طویل مقالے میں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد نے اچھوتی تحقیق کی ہے۔ سورۂ یوسف اور ذوالقرنین سے متعلق ان کی تفسیر دیدنی ہے۔ چند سال پہلے کریگ (K. Cragg) نے اپنی کتاب: "Reading in the Quran" میں لکھا ہے کہ پچھلے کئی سال میں جو چند قیمتی کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں سے یہ ایک تفسیر ہے۔ تفسیر المنار میں شیخ محمد عبدہ نے لکھا ہے کہ تفسیریں تو انسان اور قرآن کے درمیان حجاب بن گئی ہیں۔ آزاد نے اس سے دو قدم آگے بڑھ کر لکھا: ''اُنہوں (مفسرین) نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اُتاریں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔'' (ترجمان القرآن، مقدمہ) قرآن مجید اور اس کی معروف و مستند تفسیریں پڑھنے کے بعد مجھے شدت سے احساس ہوا کہ دوسروں کی اصلاح سے پہلے انسان کو خود اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خاکسار شام کو گھر سے باہر کہیں نہیں جاتا۔ تصوف کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی گھات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھ کر اپنے نفس کے خم و پیچ کا تماشہ دیکھتا رہتا ہوں۔

سوال: ہمارے ہاں لوگ اخیر عمر میں داخلیت پسند ہو جاتے ہیں، کہیں یہ معاملہ تو نہیں۔

جواب: نہیں، ایسا نہیں ہے، ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی تو جو لڑکے کیمبرج یا لندن یونیورسٹی میں پڑھتے تھے، وہ اکثر یونین آفس میں بیٹھ کر لمبی لمبی بحثیں کرتے کہ فلاں محاذ پر کون جیت رہا ہے، فلاں پر کون؟ خاکسار ان بحثوں سے عموماً الگ رہتا۔ ایک دن ہمارے ایک دوست نے جن کا مضمون سائنس تھا، کہا کہ تمہیں اپنے وطن سے شاید کوئی تعلق نہیں کہ بحثوں میں حصہ نہیں لیتے۔ خاکسار نے ان سے کہا کہ جنرل موسیٰ خان کی جگہ تمہیں فوجوں کا کمانڈر ہونا چاہیے۔ ہم گھنٹوں جنگ پر بحث کر کے وقت ضائع کرتے ہیں۔ ہم یہاں جس کام کے لیے آئے ہیں، اسی کام کو کرنا چاہیے۔ وہاں مولانا مودودیؒ سے ملنے والے ایک ڈاکٹر جاوید حکیم بھی تھے، میرے اُن سے تعلقات آج بھی ہیں۔ آج کل کینیڈا میں ہیں۔ وہ مولانا سے اُن کی وفات سے تھوڑے دن پہلے امریکہ میں ملے بھی تھے۔ آکسفورڈ میں ایک کتاب چھپی تھی ''ہیگل ازم'' اس میں مصنف نے تحقیق کے پردے میں قرآن مجید پر رکیک حملے کیے ہیں۔ مولانا (مودودی) نے جاوید حکیم سے کہا کہ اگر میری زندگی اور صحت لوٹ آئے تو میں اس کتاب کا جواب لکھنا چاہتا ہوں۔ تو خاکسار نے ڈاکٹر حکیم سے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فکری زندگی کو دوام حاصل ہے۔ مجھے یاد ہے جو انگریز طالبعلم پولیٹیکل سائنس کا طالب علم ہے یا ٹیچر وہ کبھی عملی سیاست میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ وہ کہتا تھا، یہ چرچل کا کام ہے کہ جنگ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رفتار سے یا ہٹلر کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو آگاہ کرے۔ ہٹلر کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں تو بات ہی دوسری ہے۔ مجھے یاد ہے حکیم سعید مرحوم کہتے تھے کہ کراچی کے شادی گھروں میں روزانہ آٹھ کروڑ کا کھانا تیار ہوتا ہے۔ اس میں سے چار کروڑ کا تو کھالیا جاتا ہے اور باقی چار کروڑ کا کھانا ضائع ہو جاتا ہے۔ جب ہماری عیش پرستی و کم ظرفی کا یہ عالم ہو، تو ہماری بربادی کو کون روک سکتا ہے؟ نہ وسائل کی قدر ہے نہ وقت کی۔ خاکسار کیمبرج میں تھا تو اپنے پروفیسر سے صبح نو بجے ملنے جاتا اگر وقتِ مقررہ سے ایک منٹ پہلے پہنچتا تو باہر ٹہل کر پورے وقت پر دروازہ پر دستک دیتا۔

سوال: آپ کا اپنے گائیڈ سے کبھی اختلاف بھی ہوا۔ کیونکہ اکثر سننے میں آیا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مطالعہ کے نتائج اُن کی مرضی کے دیئے جائیں۔

جواب: ایسی بات نہیں ہے۔ ٹائن بی سے کسی نے پوچھا۔ یہ انگریز اب آپ کی تحریروں سے زیادہ خوش نہیں ہیں؟ تو اس نے کہا عالمی جنگ سے پہلے انگریز ایک عالمی طاقت شمار ہوتے تھے۔ اب عالمی سٹیج پر امریکہ اور روس کے آنے کے بعد --- وہ پہلی سی بات نہیں رہی۔ جس کی وجہ سے اُن میں بات کا سننے کا وہ پہلا سا حوصلہ بھی نہیں رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم دو صدیوں تک انگریز کے غلام رہے۔ اب ذرا سی کوئی بات ہو تو ہم جلد جذباتی ہو جاتے ہیں۔ جرمنی کا معروف سکالر روڈی پائیلٹ مغرب میں قرآنی تفاسیر پر اتھارٹی ہے۔ اس نے جرمن یونیورسٹیوں میں عربی اور اسلامیات کے حوالے سے ہونے والے کام کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہونا یہ چاہیے کہ ہم علمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سطح پر اُن کا مقابلہ کریں۔ اُنہوں نے اسلام اور عربی ادب پر جو کتابیں لکھی ہیں، اُن کا بہ غور مطالعہ کریں اور جو خامیاں ہیں اُن کو واضح کریں۔ البتہ جو باتیں ہمارے کام کی ہیں، وہ لے لیں۔ مقصد تو روشنی حاصل کرنا ہے۔ ان کی دلچسپی دیکھیں آپ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کتنی ہے؟ لائیڈن سے پوری طبقات ابن سعد شائع ہوئی، صحیح بخاری کا پورا نسخہ بھی وہاں سے شائع ہوا۔ قرآن مجید کا انڈکس چھپا آج آپ فوری طور پر معلوم کر سکتے ہیں کہ فلاں آیتِ کریمہ کس پارے میں موجود ہے۔ رشید رضا نے کہا تھا کہ اگر یہ کتاب پہلے شائع ہوگئی ہوتی تو میری آدھی زندگی بچ جاتی۔ یہی معاملہ احادیث کا ہے۔ اُن کا بھی انڈکس شائع ہو گیا ہے کہ کونسی حدیث کس مجموعۂ حدیث میں کس مقام پر ہے۔ وہ لوگ ایک ایک لفظ پر تحقیق کرتے ہیں، ایک ایک موضوع پر سالوں محنت ہوتی ہے تب وہ کتاب منظرِ عام پر آتی ہے۔ اندازہ لگائیے، نکلسن نے مولانا روم کی مثنوی پر بیس سال لگائے اور پھر یہ علمی کاوش فارسی میں کیمبرج سے شائع ہوئی، انگریزی ترجمہ بھی تھا۔ ۱۹۱۱ء میں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ کیمبرج سے شائع ہوا۔ اسے علامہ اقبال نے بھی پڑھا، ساری دُنیا میں معروف ہوا۔ خدا اور بندے کے درمیان جو پردے حائل تھے، حضرت شیخ ہجویری نے ان کو ہٹایا۔ لیکن خود شیخ کی کتاب اور انسان پر زبان کے پردے حائل تھے، انہیں خود نکلسن نے ہٹایا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے داتا صاحب کے عرس پر دودھ کی نہریں تو بہا دیں لیکن جو کام کرنے کا تھا اسے اغیار کے لیے چھوڑ دیا۔ اگر اُنہوں نے کچھ کیا تو اُن کے ''خفیہ مقاصد'' کا کھوج ہم نے لگایا! چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت داتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کی تعلیمات کو آسان پشتو، سندھی وغیرہ میں عوام تک پہنچایا جاتا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ کشف المحجوب کا صحیح نسخہ ماسکو سے شائع ہوا۔ پھر تاشقند اور ایران سے بھی طبع ہوا۔ مسز گب کا نوجوان بیٹا مر گیا تو اس نے فیصلہ کیا کہ گِب میموریل لندن کی طرف سے عربی اور فارسی کی کلاسیکل کتابیں ترجمہ کے ساتھ شائع کی جائیں۔ اس سے بڑا المیہ کیا ہوگا کہ آپ کو اسلام پر کتاب لکھنے کے لیے بہتر ماحول لندن میں میسر آتا ہے۔ وہاں علم کی فراوانی دیکھیں کہ آپ کو دس منٹ میں دس ہزار کتابیں مل سکتی ہیں، مطالعہ کے لیے۔ خواہ وہ کتابیں دمشق، قاہرہ یا سعودی عرب میں شائع ہوئی ہوں۔ اِدھر کیا صورتحال ہے، وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی، ہمارا قدیم تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کی بہت بڑی لائبریری ہے لیکن کیا مجال آپ کو کوئی کتاب فوراً مل جائے۔ ۱۹۹۴ء میں قاہرہ سے شیخ عبدالکریم الجیلی کی کتاب شائع ہوئی جس میں ابنِ عربی کی فتوحاتِ مکیہ کے ایک آخری باب کی شرح کی گئی ہے، یہ باب فتوحاتِ مکیہ کا نچوڑ ہے۔ خاکسار فتوحات کی آخری جلد دیکھنے کے لیے وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ کوئی صاحب پڑھنے کے لیے لے گئے ہیں۔ خاکسار نے پوچھا کب لے گئے تھے؟ بتایا گیا چودہ سال ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ''اگر یہی عاشقی ہے، تو پھر عاشقی سے توبہ''

ایک دفعہ امام غزالی کی کتاب مشکوٰۃ الانوار میں ایک حدیث کی تشریح پڑھی تھی، جس میں آیا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے خواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ گھٹنوں کے بل جنت جا رہے ہیں۔ غزالی نے اس کی تعبیر یہ کی کہ (عبدالرحمٰن) کے دماغ میں جو مادی اور روحانی طاقتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان کشمکش جاری تھی، اس کو خواب میں دراصل علامتی انداز میں دکھایا گیا تھا۔ یہاں جو اُردو ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں بریکٹ کے اندر مترجم لکھتے ہیں۔ غزالی اپنی تحریروں میں ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ خاکسار یہ کتاب دیکھنے لائبریری گیا، نہیں ملی۔ پھر مجھے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کی لائبریری سے ملی۔ اصل عربی کے الفاظ کی تلاش تھی: یمشی، حبواً إلی الجنة جن کا ترجمہ تھا گھٹنوں کے بل چلنا۔ آپ تعجب کریں گے کہ اہلِ مغرب علم کے کتنے شیدائی ہیں۔ مولانا مودودیؒ مرحوم کی ''سیاسی کشمکش'' کے اولین ایڈیشن آپ کو ادھر شاید ہی کہیں میسر آئیں، خاکسار نے تینوں جلدیں شکاگو لائبریری میں دیکھیں۔

سوال: ان کے وسائل بھی بے پناہ ہیں؟

جواب: بلاشبہ اُن کے پاس وسائل ہیں لیکن اصل چیز علمی ذوق وشوق ہے۔ ہمارے پاس بھی وسائل ہیں، وہ ذوق جنوں کہاں سے لائیں، بازار میں تو یہ چیز بکتی نہیں۔ خاکسار نے پوچھا تھا آپ پوری دُنیا سے اتنی کتابیں کیسے اکٹھی کر لیتے ہیں، تو اُنھوں نے کہا، قاہرہ، دمشق یا ایران میں ہمارے آدمی ہیں۔ جن کا کام ہی یہی ہے۔ اُن کا سارا نظام ہی سائنٹفک بنیادوں پر چل رہا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں ہم ابنِ خلدون کانفرنس کے سلسلہ میں لندن کے اورینٹل سٹڈیز انسٹی ٹیوٹ میں گئے تو دیکھا کہ اُنھوں نے یونیسکو کی مدد سے لائبریری کو اتنا منظّم کر دیا ہے۔ ہم دنگ رہ گئے۔ تین شیلف دور تک انڈین تہذیب پر کتابوں سے بھرے تھے۔ صرف چند کتابیں پاکستان کے بارے میں تھیں۔ خاکسار نے اپنے ساتھی ڈاکٹر محمد خالد مسعود سے کہا کہ یہ ہماری ''دستی'' کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارنامے ہیں اور تجویز دی کہ لندن میں اس کانفرنس کے ناظم اعلیٰ ڈی۔ خالد دوران، ابنِ خلدون کے نام سے لائبریری قائم کریں۔

ٹھیک ہے صلیبی جنگوں کے زمانے میں یا اس کے بعد دیر تک مغرب کے دانشور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تعصبات کا شکار رہے۔ وہ ہماری منفی تصویر بھی پیش کرتے رہے لیکن اب یہ صورتحال نہیں رہی، بڑی حد تک تبدیلی آ چکی ہے۔ ان کی اکثریت اخلاص سے کام کرتی ہے۔ وہاں بعض لوگ ریسرچ کی برکت سے اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ محمد اسد (لیوپولڈ) کی مثال لے لیں۔ اُنہوں نے روڈ ٹو مکہ (Road to Mecca) لکھی ہے۔ اس کتاب کا بڑا شہرہ ہوا۔ اس نے کہا، جس طرح چور دبے پاؤں کسی گھر میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح اسلام میرے دل میں داخل ہوا۔ البتہ چور واپس چلا جاتا ہے لیکن یہاں یہ معاملہ نہیں ہے۔ لندن کے کالجوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی اسلام اور پاکستان کے بارے میں معلومات ہمارے اپنے پاکستانی لڑکوں اور لڑکیوں سے زیادہ ہیں۔

سوال: وہ لوگ عربی اتنی کیسے سیکھ لیتے ہیں، ہمارے ہاں تو یہ عمل سالوں کا جاری رہتا ہے؟

جواب: خاکسار جولائی ۱۹۹۹ء میں مَیں روم گیا۔ ایک کانفرنس میں مقالہ پڑھنا تھا۔ اس مقالہ کا موضوع اُنہوں نے دو سال پہلے دیا تھا تاکہ اس موضوع پر تفصیل سے مطالعہ کرلوں۔ چنانچہ مَیں نے وہاں مقالہ پیش کیا۔ اُنہوں نے کہا تم پانچ روز مزید یہاں رُک جاؤ۔ اس بین الاقوامی مذاکرہ کے منتظمین مجھے ایئرپورٹ پر لینے آئے۔ پہلے وہ مجھ سے انگریزی میں مخاطب ہوئے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر عربی میں گفتگو ہونے لگی۔ خاکسار نے جب اس پر حیرت کا اظہار کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ یہاں اسلامیات یا عربی کے جو طلبہ ہیں ہم اُن کو ایک سال کے لیے بیروت یا قاہرہ بھیج دیتے ہیں۔ پھر ہم دمشق یا قاہرہ سے سکالرز کو بلاتے رہتے ہیں کہ وہ تفسیر نویسی کے نئے رجحانات پر لیکچر دیں۔ ہم ان لیکچروں کا عربی متن اور اس کے ساتھ انگریزی ترجمہ شائع کر دیتے ہیں۔ ان کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ کسی کانفرنس سے چند دن پہلے دعوت دی جاتی ہے۔ اکثر مقررین حضرات آتے ہیں، اپنی تقریر کے جوہر دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ معروضی نقطۂ نظر پیش کرنے کی بجائے جس کے لیے محنت درکار ہے، چند جذباتی اور شاعرانہ بیانات کا ڈھیر لگا دیا جاتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنی گھاٹ پر بیٹھ کر اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ مراقبہ کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟

سوال: ڈاکٹر صاحب! ہم آپ سے اسلامک کلچر اور مغربی ثقافت، دُنیا پر اُن کے اثرات اور بالخصوص مستقبل میں اُن کے باہمی تعلقات پر بھی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ یہ باہم حریف ہیں یا حلیف؟ لیکن پہلے یہ وضاحت فرما دیں کہ کلچر ہے کیا؟

جواب: آپ نے ایک سوال میں کئی باتیں پوچھ لیں ہیں۔ ایک تو یہ تصور بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں ہے کہ ہمارے علاوہ کہیں کوئی خوبی ہی نہیں ہے۔ اس لیے صرف ہمارا کلچر ہی شاندار ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دوسری تہذیبوں یا ثقافتوں سے ہمارا تصادم ہوگا۔ بہت سے لوگ اس کا دعویٰ کرتے ہیں اِدھر بھی اُدھر بھی۔ لیکن پہلے آپ کی خواہش کے مطابق یہ وضاحت ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے کہ کلچر ہے کیا؟ تہذیب سے مراد کیا ہے؟ پطرس بخاری نے کہا تھا کہ برصغیر میں صرف دو آدمی کلچر کے مفہوم سے واقف ہیں، ایک علامہ اقبال، دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد، باقی جتنے ہیں وہ پڑھے بغیر ہی باتیں کرتے رہتے ہیں، جیسے آج کل ہم اسلام کی باتیں پڑھے بغیر ہی کرتے رہتے ہیں۔ کلچر کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں مگر آخر میں جس پر کسی حد تک اتفاق ہو سکا ہے، وہ یہی ہے کہ انسانی سوچ بچار اور فکری تربیت میں ارتقاء کا نام کلچر ہے۔ اس میں اسلام سمیت تمام مذاہب آ گئے۔ آخر میں جس پر زیادہ اتفاق ہوا، وہ یہ ہے کہ:

کسی بھی قوم کی جو بلند اقدار ہیں، اُن کی حفاظت کے لیے جان تک کی بازی لگا دینا کلچر ہے۔

پہلی جنگِ عظیم میں ترکی پر قبضہ ہو گیا، عثمانی خلافت سے سارے عرب علاقے چھین لیے گئے۔ خلیفہ نے یورپ کے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنی قومی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس وقت وزیراعظم اٹلی نے کہا: ''ہم نے ترکوں سے عرب علاقے چھین لیے ہیں۔'' اب ہم ترکوں کو ان کے گھروں میں ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہماری بڑی غلطی ہے۔ ترک کبھی کسی کے غلام نہیں رہے اور نہ انہیں غلام رکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اٹلی سے ایک سپاہی نہیں بھیجیں گے اور نہ ہی ایک پیسہ اس مقصد کے لیے فراہم کریں گے۔'' تو پھر وہی ہوا جس کی اٹلی کے وزیراعظم نٹی نے پیشگوئی کی تھی۔ اس زمانے میں لندن سے گرے وولف (Gray Wolf ?) نامی مشہور کتاب چھپی تھی۔ یہ گرے وولف مصطفیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمال پاشا تھے، خود ہمارے بانیٔ پاکستان اس حد تک اس کتاب سے متاثر تھے، کہ اُن کی بیٹی دینا نے محبت سے اپنے محترم والد کا نام گرے وولف رکھ چھوڑا تھا۔ اس کتاب کا انگریز مصنف لکھتا ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں ترک خون جوش میں آ گیا اور ناممکن کو اس نے ممکن بنا ڈالا۔

۱۹۱۷ء میں ترکوں پر جو ذلت آمیز معاہدہ مسلط کیا گیا تھا، اس کے برعکس ۱۹۲۳ء میں ترکوں کی ساری شرطیں مان لی گئیں۔ ایک انگریز مصنف (Fisher) نے لکھا ہے کہ وزیراعظم اٹلی تو واقعی وقت کا پیغمبر ثابت ہوا۔ یونان نے بھی اس دوران ترکی میں اتحادیوں کی پشت پناہی پر دخل اندازی شروع کر دی جس کو ترکوں نے انتہائی نفرت سے دیکھا کہ یونانیو! تم بھی! وہ اپنی اعلیٰ اقدار کے لیے لڑے کہ غلامی قبول نہیں۔ مصطفیٰ کمال نے میدانِ جنگ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے فوجیوں سے کہا تھا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ لڑو بلکہ مَیں کہتا ہوں کہ اُٹھو اور موت کو گلے لگا لو۔ جب سمرنا کے کچھ علاقوں پر یونانیوں کا غلبہ ہو گیا تو اُن کا بادشاہ آیا اور ترکی کے جھنڈے کو پاؤں تلے روندتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ لیکن بعد میں جب مصطفیٰ کمال کا دور آیا تو اسے جواباً یونانی جھنڈے کو روندنے کے لیے کہا گیا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ جھنڈا کسی بھی قوم کے جذبات و احساسات کی نشانی ہوتا ہے، ہم بہادر قوم ہیں، ایسی چھوٹی حرکت نہیں کریں گے۔ اعلیٰ قدریں اور بلند نگاہی کا نام کلچر ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر کفار کے سرداروں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اہلِ مکہ جو خود بھی بہادر تھے، نہایت اطمینان سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک شریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدمی ہے اور شریف آدمی کے بیٹے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔'' وہی بات جو پورس نے سکندر کے پوچھنے پر کہی۔ بے شبہ بلند قدروں کے لیے لڑنا اور اسے اپنے رگ و پے میں اُتار لینا ہی کلچر ہے۔ ذہنی پستی کے ساتھ اونچی عمارتوں میں رہنے کا نام تمدن نہیں ہے۔ انگریز کے دور میں یہاں کسی حد تک جو فکری و ذہنی آزادیاں تھیں، صد افسوس! آج وہ جبر اور پابندیوں میں بدل چکی ہیں۔

پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس جناب حلیم نے لندن میں ایک انٹرویو دیا ہے، جس میں اُنہوں نے کہا ہے کہ ''انگریز کے زمانے میں جو تحفظ حاصل تھا، وہ اب نہیں ہے۔ انگریز نے دوسو سال تک انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش، سمیت پورے برصغیر پر حکومت کی، اس میں کوئی تو خوبی ہوگی۔'' ''ہسٹری آف یورپ'' میں فشر نے لکھا ہے کہ انڈیا میں ہمارے ICS کے صرف پانچ ہزار آدمی تھے۔ جو انتہائی ایماندار، انتہائی دیانتدار، انتہائی منظّم تھے جنھوں نے برطانوی راج کو قائم کیا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ہندوستان کو کس نے متحد کیا تھا انگریزوں نے یا اورنگزیب عالمگیر نے۔ انگریز نے ان قوموں کی تاریخ بڑی گہری نظر سے پڑھی تھی۔ وہ کچھوے کی چال چلتا ہوا اس مقام تک پہنچا۔ آخر اس میں کچھ تو خوبیاں ہوں گی۔

سوال: وہ خوبیاں کیا تھیں؟

جواب: آپ کی تعلیم جب تک اچھی نہ ہو، آپ کو فکری آزادی نہیں ملے گی۔ انگریز سیاست کی بنیاد زندگی کے حقائق پر رکھتے ہیں۔ تعلیم کے معاملے میں مغربی اقوام کی سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی امریکہ میں اسلامک سٹڈیز کے شعبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کسی کو ڈگری نہیں ملتی تاوقتیکہ وہ قاہرہ یا دمشق میں ایک سال تک پڑھ کر نہ آئے۔ اسلام پر اگر آپ نے اچھا مقالہ لکھنا ہے تو اس کی جگہ لندن ہے یا نیویارک، اُن کی یونیورسٹیاں اور لائبریریاں اتنی منظّم ہیں کہ Latest عربی کتابیں وہاں ہوتی ہیں۔ مَیں ان سے پوچھتا کہ آپ یہ سب کتابیں کیسے جمع کرتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا دُنیا بھر میں ہمارے نمائندے یہ کام کرتے ہیں۔ ہم دس منٹ کے نوٹس پر دس ہزار کتابیں منگوا سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ صورت ہے کہ مجھے حضرت شیخ ابنِ عربی کی ایک کتاب کی ضرورت تھی۔ خاکسار لائبریری گیا جہاں مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص یہ کتاب چودہ سال پہلے لے گیا تھا، اس نے واپس نہیں کی، آپ کو یہ نہیں مل سکتی۔ تعلیم میں ہماری یہ حالت ہے اور آزادی کا یہ عالم ہے کہ پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے ایک چیف سیکرٹری نے جو شاید سابق وزیرِ خارجہ جناب عزیز احمد کے بھائی تھے، کہا تھا کہ ''اب انگریز اس ملک سے چلا گیا ہے، اب تم صحافیوں کے چونچلے نہیں چلیں گے، یہ اسلامی ریاست ہے کوئی ایسی ویسی بات کی تو فوراً پکڑ لیں گے۔'' آپ سوچیے آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ لندن یا فرانس میں آزادی ہے۔ ہر کوئی اپنی بات پوری طرح کہہ سکتا ہے۔ اس سے وہاں کیا نقصان ہو رہا ہے؟ بلکہ جب مختلف باتوں یا افکار میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس سے نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں، انسانی شعور کے سامنے نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

سوال: ہمارے ہاں تو ایسی تنگ نظری ہے کہ اگر کوئی گاندھی جی لکھتا ہے تو ''جی'' کاٹ دیا جاتا ہے۔

جواب: خاکسار یہاں کسی کا نام نہیں لے گا، شام کے ایک مصنف ڈاکٹر نجلاء کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب Arab World (عرب ورلڈ) چھپی تھی۔ جس شخص نے کراچی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا وہ کہتا ہے کہ جب وہ ترجمہ کر رہا تھا، تو اس نے جہاں جہاں گاندھی کے ساتھ ''جی'' لکھا، وائس چانسلر نے وہاں سے ''جی'' کاٹ دیا۔ خاکسار نے مترجم سے کہا آپ اقبالؒ کو پڑھ کر دیکھ لیں، وہ ''جی'' ہی نہیں کئی جگہ ''مہاتما'' بھی لکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں آج اس حد تک تنگی اور تنگ مزاجی آگئی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ہمارے پاس ہی حق ہے۔ یا یہ تو قول پنجابی 'ہم ہی پاٹے خاں ہیں''

قرآن مجید میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ یہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی اُتاری ہے، یہی وحی حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھی اُتاری گئی تھی، جو آپ کو حکم دیا ہے یہی حکم ہم نے ابراہیمؑ، اور عیسیٰؑ کو بھی دیا تھا، خدا کا دین تو ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے وحدانیت، رسالت اور آخرت کا تصور سب میں ایک ہے، لیکن شریعتیں ہر دَور کے لیے الگ رہی ہیں۔ کیونکہ معاشرت بدلتی رہتی ہے، تمدن بدلتے رہتے ہیں، وسائل پیداوار بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے بدلنے سے انسانوں کے مسائل بھی بدلتے ہیں۔ جب مسائل بدلتے ہیں تو اُن کا حل بھی اُن کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس لیے ہماری شریعت میں اجتہاد کی بہت زیادہ گنجائش رکھی گئی ہے۔ کیونکہ یہ آخری شریعت ہے، مغرب میں کیا ہو رہا ہے؟ انہیں معلوم ہے کہ انسانی فکر مسلسل حرکت میں ہے اور ترقی پذیر ہے۔ اگر حرکت رک جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

۱۹۰۵ء میں سر ولیم میور کی ایک کتاب Rise and fall of

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Khilafat چھپی۔ یہ ولیم میور سرسیّد کے دور میں یو پی کا گورنر رہ چکا ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ پر بھی کتاب لکھی تھی۔ جب وہ یہاں سے واپس جانے لگے تو سرسیّد نے اس کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ سرسیّد نے انگریزی میں اسے سپاس نامہ پیش کیا جس کا جواب اس نے اُردو زبان میں دیا، یہ بڑا ذہین انسان تھا۔ اس نے اپنی اس کتاب کے آخر میں جس کا ابھی مَیں نے اوپر حوالہ دیا ہے، لکھا ہے کہ ''مغربی اقوام وقت کے ساتھ ساتھ علم کی ہر شاخ میں ترقی کریں گی، سائنس میں، سیاسیات میں، معیشت میں، زندگی کے ہر شعبے میں لیکن مسلمان جہاں کھڑے ہیں، وہیں کھڑے رہ جائیں گے۔ اس لیے کہ اُن کے مزاج میں جمود ہے۔''

یہ کتاب آپ آج بھی اپنی ہر لائبریری میں دیکھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنا جائزہ لے سکتے ہیں۔

سوال: ہم اصل موضوع سے دور چلے گئے۔ بات ہو رہی تھی، اسلامک کلچر اور ویسٹرن کلچر کی؟

جواب: موجودہ وقت میں جو مغربی کلچر ہے، اس کا ایک بنیادی امتیاز سولھویں صدی کے بعد کی تحریکِ نشاۃِ ثانیہ سے ہے۔ اس کے بعد ان کے مذہب کی اصلاح ہوئی ہے، جس کے تحت ریاست اور چرچ کو الگ کر دیا گیا۔ دوسری بات اُن کا سیکولرازم ہے۔ ہمارے ہاں اس لفظ کو بڑا غلط بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ چرچ کی حکومت کے ہاتھوں لوگوں پر جو ظلم ہوا تھا، اس سے سارا یورپ تڑپ اُٹھا تھا۔ سیکولرازم کے معنی یہ تھے کہ ہر شخص کو اپنا نقطۂ نظر رکھنے کا حق حاصل ہے۔ نیز اُنھوں نے موت کے بعد والے مسائل سے صرفِ نظر کر لیا۔ تیسرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کا اصول یہ تھا کہ حق مذہب کا پابند نہیں، اس سے ہٹ کر بھی اس کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ جب سیکولرازم نے اپنی حکومت مستحکم کر لی تو چرچ اور ریاست کا جھگڑا ختم ہو گیا۔ اب یہ تقسیم کار اُن کے لیے سود مند ثابت ہوئی۔ پہلے چرچ سیاست کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، آج جب اس نے تقسیمِ کار کر لیا ہے تو سیاست بھی بہتر ہو گئی ہے اور چرچ بھی۔ آج وہ (کلیسا) جو خدمات سرانجام دے رہا ہے ساری دُنیا اس کی ستائش کر رہی ہے۔

سوال: آپ اسلامک کلچر پر بھی بات کریں؟

جواب: دیکھیں اسلام کا اپنا مزاج آفاقی ہے۔ اسلامی کلچر کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اخلاقی و روحانی طور پر جن باتوں کی تربیت دی گئی ہے، اُن کا بنیادی سرچشمہ وحی ہے، علم ہے، فکر ہے، ارتقا ہے۔ اخلاقی طور پر ہمیں سکھایا گیا ہے کہ ہم کسی کا حق نہ ماریں، کسی کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔ اگر کوئی برا سلوک بھی کرے تو اسے معاف کر دیں۔ اسلامی کلچر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ غیر مسلم سے نفرت کریں یا اس سے حقارت سے پیش آئیں۔ یا مسلم سوسائٹی میں اسے دوسرے درجے کا شہری تصور کریں۔ اسلام کا لفظ آنے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں ہمارے مسائل ہیں، ہمارا ماحول ہے، وہاں ہمارا خدا بھی ہے، جس کے سامنے ہماری جوابدہی ہونی ہے۔

سوال: آپ ان دونوں کا تقابل کس طرح کرتے ہیں؟

جواب: ویسٹرن کلچر کے رگ و پے میں مسیحیت دوڑ رہی ہے، مسیحیت بھی ایک وحی کا حصہ ہے، لیکن وہ تصوراتی باتوں کی بجائے عملی حقائق پر زور دیتے ہیں۔ اس لیے مغربی تہذیب پر بڑا اعتراض خود اہلِ مغرب نے کیا ہے کہ اُن کا جو رشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کی روایت سے ٹوٹا ہے، اس کی وجہ سے اخلاقیات پیچھے چلی گئی ہیں، ظلم آگے آ گیا۔ مثلاً انگریز اپنے ملک میں ظلم نہیں کرتا لیکن دوسری قوموں کا اُنھوں نے استحصال کیا۔ اگر دوسری زندگی میں جوابدہی کا احساس ہوتا تو وہ شاید یہ ظلم نہ کرتا۔ موجودہ مغربی تہذیب پر سب سے اچھی تنقید فرانس کے ایک دانشور نے کی ہے، اس کی کتاب ہے ''دی کرائسس آف ماڈرن ورلڈ'' اس نے روحانی روایت سے رشتہ ٹوٹنے کو مغرب کا اصل بحران قرار دیا ہے۔ اس طرح ان کے ایک دانشور نے افریقہ میں غلاموں کی خرید و فروخت کا جس طرح ذکر کیا ہے اور غلامی کے خلاف جس طرح لکھا ہے، وہ بڑا اہم ہے۔

سوال: مستقبل میں ان دونوں تہذیبوں کے تعلقات کیا تصادم پر منتج ہوں گے؟

جواب: میرا خیال ہے کہ مسلمانوں اور اہلِ مغرب کا ٹکراؤ ہوگا لیکن یہ ٹکراؤ تہذیبوں کا نہیں ہوگا، مفادات کا ہوگا۔ مغرب یہ نہیں چاہے گا کہ مسلمانوں کا پٹرول ان کے سوا کوئی اور استعمال کرے۔ آپ دیکھیں یہ جو خلیجی جنگ ہوئی اس پر اربوں روپیہ خرچ ہوا لیکن اس خرچ کے علاوہ خود عرب ریاستوں نے کھربوں روپیہ تحفے کے طور پر مغربی حکومتوں کو دیا ہے اور کہا ''آپ کا شکریہ آپ نے ہمیں بچالیا۔'' ایک دور میں اسلامی تہذیب نے انسانیت کی بڑی خدمت کی۔ علم کی روشنی سپین کے راستے یورپ تک پہنچی۔ یونانی علوم کے تراجم کیے گئے جو اگلی نسلوں کے کام آئے۔ دُنیا کو رواداری، مساوات، وحدت، آزادی اور آزاد فکر دی۔ پھر مغربی تہذیب نے نہ صرف ان باتوں کو مزید نکھارا بلکہ دُنیا کو سیکولرازم، جمہوریت اور سائنسی و علمی ترقی جیسے تحفے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیے۔

سوال: آپ ممتاز دانشور ہیں، آپ بتائیے آج دُنیا کو ہم کیا دے سکتے ہیں، یا کیا دے رہے ہیں؟

جواب: خاکسار آپ کا سوال سمجھا نہیں۔ ماضی میں جو ہوا سو ہوا۔ کیا آپ آج کی بات کر رہے ہیں یا ماضی کی بات کرنا چاہتے ہیں؟

سوال: مَیں چاہتا ہوں ماضی کا تقابل ماضی سے کیا جائے اور آج کا آج سے۔ ہمارے ہاں یہ بڑی زیادتی کی جاتی ہے کہ ہم ان کے حال کے مقابلے میں ہمیشہ اپنا ماضی لے کر آ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں، اُن کے فکر و نظر کا مقابلہ اپنی فکر و نظر سے اور اُن کے عمل کا جواب اپنے عمل سے دیا جائے۔

جواب: جی ہاں ہم ہمیشہ آج کے مغرب کے بالمقابل اپنے آباؤ اجداد کو لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اپنی اصلاح کی بجائے ماضی پر فخر کرنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، لیکن ہم ماضی کو فراموش بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے شاندار ماضی کی بنیاد پر اپنے تاریک مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے ایک منصوبہ تو بنا سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے غلامی کو ختم کرنے کی ٹھوس بنیادیں رکھیں۔ آپ خلافتِ راشدہ کا تجربہ دیکھیں جس سے ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا، جس کی بنیاد مساوات اور آخرت میں اپنے اعمال کی جواب دہی پر تھی۔ جس میں معاشی، سیاسی، سماجی اور قانونی انصاف تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے تجربے کے آخر میں کہا کہ ''آج مجھے جن باتوں کا پتہ چلا ہے اگر مجھے ان کا پہلے علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتا تو مَیں مالداروں کی تمام زائد دولت لے لیتا اور غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔'' اسرائیل کے ایک مسیحی دانشور نے اسلام میں اجتماعی انصاف پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے تحریر کیا کہ حضرت محمد ﷺ، ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ تین اشخاص ہیں جنھوں نے نہ صرف اخلاقی طور پر بلکہ قانونی طور پر انسانی وقار کو بچانے کے لیے غلامی کو ختم کرنے کی راہ دکھلائی۔ اس طرح تحفہ دوسرا (کنٹری بیوشن) جو اسلام نے اور انسانیت کو دیا، وہ فکری آزادی کا تصور تھا، خواہ کوئی مسلمان ہو یا یہودی، مسیحی یا کچھ اور۔ کسی کا مذہب جبراً نہیں بدلا جائے گا۔ فکری آزادی اسلام سے پہلے دو قدیم تہذیبوں نے دی۔ ۳۱۳ عیسوی میں رومن ایمپائر نے پہلی دفعہ یہ کہا مسیحی آبادی کو آزادیٔ مذہب حاصل ہے۔ مشرق میں اشوک نے لڑائیاں لڑنے کے بعد یہ کہا کہ آپ جو بھی مذہب رکھنا چاہیں رکھیں لیکن دوسروں کو برا نہ کہیں۔ رومن ایمپائر اور اشوک نے جو کچھ کیا جبر و تشدد جیسے عوامل کی ناکامی کے بعد کیا۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر اس کے اندر سے اُٹھا ہے، اس نے پہلے دن یہ اعلان کر دیا کہ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے''۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں فرمایا ''تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''

نبی اکرم ﷺ کی کفارِ مکہ سے لڑائی اس لیے نہیں ہوئی کہ تم لوگ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ لڑائی اس پر ہوئی کہ مکہ والے آپ کو اپنی رائے رکھنے اور اسے پھیلانے کا حق نہیں دے رہے تھے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے ٹھیک لکھا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات امن پر مبنی ہیں، لڑائی پر نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال: جب آنحضرتؐ کی جدوجہد فکری آزادی کے لیے تھی تو مسلمانوں نے بعد میں اس پر قدغن لگانے والا رویہ کیوں اپنا لیا؟

جواب: تیرھویں صدی میں مسلمانوں پر تاتاریوں نے حملہ کر دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ اس صدمے سے بقول اقبالؒ آج تک سنبھل نہیں سکے۔ ان کے اندر ڈر بیٹھ گیا ہے، کہیں مر نہ جائیں، کہیں اُن کا مذہب فنا نہ ہو جائے، تقلید کی بندشیں اسی ڈر سے آئیں، فکر پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ ایک کمیونسٹ تو ساری دُنیا میں گھوم سکتا ہے، اسے اپنے خیالات کے چھن جانے کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جبکہ ہم اپنے بچوں کو اُدھر بھیجتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ خدانخواستہ یہ کہیں اپنے فکر سے دور نہ ہو جائیں۔ حالانکہ ہمارا فکر مضبوط ہے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ خاکسار کی یہ رائے ہے کہ یہ وطیرہ یا طرزِ عمل اصل میں ہمارے اندر کا خوف ہے۔

سوال: اسلامی کلچر انسانی فطرت سے زیادہ قریب ہے یا مغربی کلچر؟

جواب: یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ ظاہر ہے فکری آزادی انسانی فطرت کے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے ہاں مذہبی طبقے نے اس قسم کی جو پابندیاں لگائی تھیں، ہمارے عام لوگوں نے انہیں قبول نہیں کیا۔ ہمارے پیغمبرؐ نے تو فرمایا ہے کہ ''دانائی تو آپ کی اپنی گمشدہ چیز ہے جہاں بھی عقل کی کوئی بات ہو اسے لے لو''۔ قرآن کہتا ہے کہ ''پیغمبر کا کام یہ ہے کہ وہ رسوم و رواج کی بیڑیاں انسان کے پاؤں سے کاٹ دیتا ہے۔'' خاکسار یہاں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہے لندن میں افریقی ملک سیرلیون کا سفیر مسلمان سے مسیحی ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے افریقی ملک کے یومِ آزادی پر لندن میں اسلامک کلچرل سنٹر میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریب کا انتظام کیا کیوں کہ اس افریقی ملک کی اکثریت کا تعلق اسلام سے ہے۔ اسلامک سنٹر کے مصری ڈائریکٹر کو اچانک دوسری جگہ جانا پڑا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تم اس تقریب میں میری طرف سے شرکت کرو۔ خاکسار نے اس تقریب میں سیرلیون کے سفیر اور ان کے ہم وطنوں کو آزادی کی مبارک باد دی اور کہا کہ پیغمبر اسلام کا مشن یہ ہے کہ انسانوں نے فرسودہ رسم و رواج کی جو بیڑیاں اپنے ہاتھ پاؤں میں پہن رکھی ہیں، پیغمبر اسلام انہیں کاٹ دیتا ہے اور لوگوں کو ان کے بوجھ سے آزاد کر دیتا ہے۔'' (سورۃ اعراف: ۱۵۷) جب تقریب ختم ہوئی تو سفیر موصوف میرے پاس آئے اور حیرت سے کہا کہ پیغمبر اسلام کے مشن کے بارے میں قرآن کی یہ آیاتِ کریمہ جن کا تم نے ترجمہ کیا ہے، مَیں نے انہیں نہیں پڑھا۔'' سفیر موصوف مسلمان تھے، بعد میں عیسائی ہو گئے تھے۔

سوال: آج کی جدید دُنیا میں فکری یا مذہبی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے، لیکن ہم مسلمانوں میں تو اس کے متعلق بڑے شدید تصورات ہیں؟

جواب: ہاں ایک گروہ میں ہیں۔

سوال: لیکن عامۃ المسلمین اس کے متعلق کیا سمجھتے ہیں؟

جواب: ہمارے عام مسلمان کوئی مذہبی عالم یا سکالر تو ہوتے نہیں۔

سوال: چلیں ٹھیک ہے، اسلام مذہب بدلنے کی آزادی کے متعلق کیا کہتا ہے؟ آپ علومِ اسلامیہ کے معروف دانشور ہیں، آپ روشنی ڈالیں؟

جواب: دانشوری کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں نفاق کی بڑی مذمت آئی ہے۔ بلکہ کفار سے زیادہ منافقوں کی مذمت کی گئی ہے۔ کوئی آدمی خواہ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے تبدیلیٔ مذہب چاہتا ہے، اسے اگر آپ جبر سے رکھیں، اسلام یہ نہیں چاہتا۔ یہ مذہبی روح کے لیے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اندر سے وہ نہیں بدلے گا۔ اس طرح وہ انسان بھی ایک زحمت میں پھنس جائے گا۔ قرآن نے اسی لیے یہ کہا ہے کہ ''دین میں زبردستی نہیں ہے۔'' (لا اکراہ فی الدین)

سوال: لیکن علماء کہتے ہیں کہ آزادی بیرون کے لیے ہے، اندرون کے لیے نہیں؟

جواب: پتہ نہیں یہ تشریح کہاں سے آ گئی ہے۔ قرآن میں تو یہ نہیں ہے۔ جبکہ دوسری صورت نفاق کی ہے، جس کی قرآن میں بڑی مذمت کی گئی ہے۔ جبر کریں گے تو وہ نفاق کی حالت میں خوف سے چپ رہے گا۔ میرے آنے سے پہلے یہاں جسٹس رحمٰن ہوتے تھے، اُن کی اس مسئلے پر کتاب بھی موجود ہے۔

سوال: ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ مرتد کی سزا سیدھی اور صاف سزائے موت ہے؟

جواب: یہ چند علماء کی رائے ہے جس کے رکھنے کا انہیں حق حاصل ہے۔

سوال: وہ کہتے ہیں کہ ہماری یہ رائے اسلام کی بنیاد پر ہے اور مسلمانوں میں یہی سزا رہی ہے۔

جواب: خاکسار نے عرض کیا کہ جب قرآن یہ حق دے رہا ہے کہ ایک انسان اپنی آزادی سے مسلمان ہو، اس پر کوئی جبر نہیں، اسلام میں آنے پر یا اسلام سے جانے پر۔ عراق کا ایک مسیحی قبیلہ بنوتغلب تھا، اس نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم جزیہ نہیں دیں گے یہ ذلت کی علامت ہے تو آپؓ نے فرمایا ٹھیک ہے جس طرح ہمارے سب لوگ جو ٹیکس دیتے ہیں وہ تم لوگ بھی دے دیا کرو اور ان پر آپ نے جزیہ ختم کر دیا۔ مصر میں ایک مسلمان قبیلے نے کہا کہ ہم فوج میں حصہ نہیں لیں گے، ان پر جزیہ لگا دیا گیا۔ اصل میں جزیہ یہ تھا کہ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوج میں شامل ہیں، وہ جزیہ (ٹیکس) نہ دیں اگر مسیحی حضرات فوج میں جاتے ہیں اور ریاست کا دفاع کرتے ہیں تو ان پر جزیہ نہیں ہوگا۔ یہ خالص سیاسی مسئلہ ہے۔

سوال: یعنی شرعی لحاظ سے آپ اسے غلط نہیں سمجھتے مذہب بدلنے کو؟

جواب: ضمیر کے مطابق آزادی ہے۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔

سوال: آپ کہہ رہے ہیں کہ علماء آپس میں اتفاق نہیں کرتے؟ جبکہ علما کا کہنا ہے کہ ہم نے بائیس متفقہ نکات پیش کر دیے تھے؟

جواب: بائیس نکات دیئے تو ان سے کیا فرق پڑا۔

سوال: ان کی بنیاد پر قراردادِ مقاصد پاس ہوگئی۔

جواب: قراردادِ مقاصد سے کیا فائدہ ہوا؟

سوال: ہمارا آئین اسلامی بن گیا۔

جواب: کاغذوں پر کچھ مقدس باتیں لکھ دینے سے کیا اسلام سوسائٹی کے اندر آ گیا۔

سوال: بنیاد تو ٹھہرا اہم ہوگئی؟

جواب: دیکھیں اصل بات تو یہ ہے کہ اسلام کی جو اخلاقی و روحانی قدریں ہیں سوسائٹی میں ان کا بول بالا ہو، وہ تو ہمیں کہیں نظر آتی نہیں ہیں، باقی نعرے بازی کے طور پر تو اسلام کا استعمال بہر حال ہو رہا ہے۔ اتنے وسیع پیمانے پر دہشت گردی ہو رہی ہے، اس میں اسلام کہاں نظر آ رہا ہے۔ ۹۱-۱۹۹۲ء کی بات ہے کہ ایک ایجوکیشن کمیشن فار اسلامائزیشن بنا جس کے چیئرمین ممبر قومی اسمبلی جناب غضنفر گل تھے، وہاں یہ بحث چھڑی کہ اسلام آ رہا ہے، اسے کس طرح لایا جائے۔ خاکسار نے کہا کہ جب کسی معاشرے میں عدل کا بول بالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے اور ہر آدمی کو مادی طور پر جینے کا حق نہیں ملتا، اس وقت یہ کہنا 'اسلام آ رہا ہے'۔ اس پر خاکسار یہی کہہ سکتا ہے کہ اسلام آباد سے کراچی تک اور کراچی سے گوادر تک جاتے ہوئے اگر کہیں اسلام نظر آ جائے تو اسے میرا اسلام کہہ دینا۔

سوال: ''اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے'' اس بارے میں ذرا کھل کر علمی جائزہ پیش کریں۔

جواب: تکمیلِ دین تو ہوئی ہے لیکن ضابطۂ حیات کوئی نہیں ہے۔ نیا وقت نئے مسائل لاتا ہے۔ فقہاءِ کرام نے فقہ میں ایک پورا باب باندھا ہے ''وقت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے''، نیا وقت نئے مسائل لاتا ہے۔ جس طرح خدا کی ذات لامحدود ہے، اسی طرح اس کا علم بھی لامحدود ہے۔ زندگی کے مسائل لامحدود ہیں۔ اقبالؒ نے اپنے چھٹے لیکچر میں جو اجتہاد پر ہے کہا ہے کہ پنجاب میں بعض خواتین نے اپنے ناپسندیدہ شوہروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ارتداد کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اس لیے کہ طلاق ہوتی نہیں تھی۔ اقبال کہتے ہیں ''میں پوچھتا ہوں کیا اس ملک میں ''ہدایہ'' اور ''امامیہ'' اسلام کا تحفظ کر سکتے ہیں؟ اقبال کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی شدید قدامت پسندی کی وجہ سے جج بعض socalled مستند کتابوں سے ہٹ کر فیصلہ نہیں دیتے۔ جس کا نقصان یہ ہوا ہے کہ زندگی تو حرکت میں ہے مگر قانون جامد ہو گیا ہے۔ اس کی مثال میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ویسٹ بنگال کا ایک آدمی بھاگ کر ڈھاکہ چلا گیا، اب وہ نہ تو اپنی بیوی کو پاس بلاتا تھا اور نہ وہاں خرچ بھیجتا تھا۔ لڑکی کے باپ نے کئی سالوں کے بعد عدالت میں تنسیخِ نکاح کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخواست دے دی۔ جج نے سارے واقعات دیکھتے ہوئے تنسیخ نکاح کی ڈگری دے دی تاکہ لڑکی دوسری شادی کر سکے۔ لیکن علماء نے اس شخص سے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کی دوسری شادی نہیں کر سکتے، اس لیے کہ جج غیر مسلم ہے، اس لیے یہ فیصلہ شرعی طور پر درست نہیں۔ اس شخص نے مولانا ابوالکلام آزاد کو خط لکھا۔ مولانا نے جواب میں لکھا کہ عدالت کا فیصلہ شرعی طور پر درست ہے۔ اسی طرح سندھ میں ایک مقدمہ عدالت میں گیا کہ میری بیٹی کو تین طلاقین یکمشت دے دی گئی ہیں۔ ۱۹۶۱ء کے فیملی لاز کہتے ہیں کہ یہ ایک طلاق ہے، لیکن حنفی علماء کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ہوگئی ہیں، اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ ایک ہے، اب میں کدھر جاؤں۔ مَیں پوچھتا ہوں یہ کنفیوژن کیوں پیدا ہوئی ہے، اس لیے کہ ہم نے اپنے شعور کو کام میں لاکر اسلام کے اجتہادی تصورات کو نہیں اپنایا۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جنھوں نے ہماری زندگی کو دکھوں سے بھر دیا ہے لیکن ہم عقل و دانش سے کام لے کر اندھیرے سے باہر آنا نہیں چاہتے۔ ہمارے سامنے آنحضرتؐ کی زندگی ہے۔ اقبالؒ نے نکلسن کو کہا تھا ''خدا کو سمجھنے کے لیے خود خدا بننا پڑتا ہے'' جو ہم نہیں بن سکتے۔ اب انسان کا شعور بیدار ہوگیا ہے۔ آپ دیکھیں یہ عجیب اتفاق ہے جن کو ہم لادین اور ملحد کہتے ہیں، وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔ اسرائیل میں بوسنیا کے مسلمانوں کا وفد آیا تو انھیں وہاں پناہ دی گئی اور کہا گیا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور آپ کو دیکھ کر ہمیں اپنی دربدری کا زمانہ یاد آ گیا ہے۔ ایک بڑے سرمایہ دار یہودی مین من جو معروف برطانوی میوزیشن ہے، اس نے خاص طور پر لوگوں کا اجلاس کیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروڑوں پاؤنڈ اکٹھے کر کے بوسنیا بھیجے۔ اب دُنیا میں جھگڑے کم ہو رہے ہیں۔ بین الاقوامیت آ رہی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ تم نیکی کے کام میں دوسروں سے تعاون کرو اور برائی کے کاموں میں دوسروں سے الگ رہو۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے اجتہادی فیصلوں کو جو اُنہوں نے بحیثیت صدرِ اسلامی حکومت، کیے پیشِ نظر رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب کی تو بہت سی مثالیں ہیں، ایک معاملہ آیا اور آپ نے فیصلہ دیا لیکن چھ ماہ بعد کے حالات میں جو تبدیلی ہوئی، آپ نے حالات کی مناسبت سے اسی طرح کے نئے مقدمے میں نیا فیصلہ جاری کیا۔ کسی نے کہا کہ جناب آپ نے فیصلہ کیوں بدل دیا؟ آپ نے کہا کہ اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ نبی علیہ السلام کے زمانے میں جو زمینیں فتح ہوئی تھیں وہ لڑنے والوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مدینے والوں کے مشورے سے کافی دن بحث کے بعد اس فیصلے کو بدل دیا۔ لڑنے والوں کو دینے سے انکار کرتے ہوئے مفادِ عامہ کے لیے مخصوص کر دیں۔ بلال مزنیؓ ایک صحابی تھے جنہیں رسول اللہؐ نے کچھ زمین دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وہ زمین ضبط کر لی۔ کہا کہ یہ کیا ہوا، یہ زمین تو مجھے رسول اللہؐ نے دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: تم اتنی زمین رکھ سکتے ہو، جتنی کاشت کر سکو، زائد نہیں۔ اقبالؒ نے اپنے لیکچر کے آخر میں کہا کہ جب آنحضرتؐ کی دُنیا سے رحلت ہو رہی تھی، فرمایا مجھے قلم دو تا کہ میں کچھ لکھ دوں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے۔ اقبال کہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں عمرؓ جیسے ایک عبقری تنقیدی مزاج کی ضرورت ہے، جو تخلیقی کام کرے۔ فقہائے کرام نے یہ جو مسلسل بحثیں کی ہیں کہ وقت بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں، وہ نئے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کہا ہے، لیکن عملاً علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے اور چابی گم کر دی ہے۔

سوال: اقبال نے ختمِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے انسانی شعور کی ترقی کو اس کی وجہ بیان کیا ہے، آپ ذرا اس پر بحث کریں۔

جواب: اُنہوں نے اتنی اچھی بات کہی ہے کہ عقل اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ اب اسے کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ غور فرمائیں نبی علیہ السلام نے دعوت وہی دی جو پہلے انبیاء علیہ السلام نے دی تھی۔ بعد کے لوگوں نے اس دعوت کو فراموش کر دیا تھا۔ سب سے بڑی حقیقت اس دُنیا کے اندر خدا کی ذات گرامی ہے، دوسرا موت کی وادی سے گزر کر اخروی زندگی میں جانا ہے، تیسرے اُنہوں نے دعوت دی تو پوری جماعت اس پر کھڑی ہو گئی۔ اب اگر ہم اس سے انکار کر دیں تو دین سے نکل جاتے ہیں۔ خاکسار کی رائے ہے کہ جن لوگوں نے دعویٰ کیا ہے، مہدی ہونے کا، اب اُنہوں نے کونسی نئی بات کہی ہے؟ یا تو ان کے لٹریچر میں کوئی نئی عظیم الشان انقلابی تبدیلی آ گئی ہو۔ میرے پاس قرآن مجید ہے۔ ایسے ہی ہمارے پاس سیرتِ طیبہ کا مستند لٹریچر موجود ہے، ان دونوں کی روشنی میں اور ایسے ہی تجربہ و مشاہدہ اور عقل و دانش کی رہنمائی میں اپنے مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ٦ سنہ ھ کے بعد مکہ کی ایک فنکار عورت مدینہ آئی تو آپ نے پوچھا فن کے ساتھ کس طرح آئی ہو؟ تو اس نے کہا کہ جن لوگوں سے میرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فن چلتا تھا اُن کو تو آپ نے بدر کے میدان میں قتل کر دیا، باقی جو ہیں وہ قحط کے ہاتھوں بھوکے مر رہے ہیں۔ چنانچہ آنحضورؐ نے ۶۰۰ دینار مکہ بھجوائے، ان اہلِ مکہ کو جنھوں نے آپ کو وہاں سے نکالا تھا اور آپ سے جنگیں کی تھیں۔ اس پیغمبرانہ طرزِ عمل سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

سوال: اگر قرآن حکیم کے کچھ احکام ابدی و دائمی ہیں اور کچھ ہنگامی و وقتی تو کیا اس پس منظر میں خواتین کے وراثت سے متعلق حقوق پر اہلِ نظر اجتہادی نظر ڈال سکتے ہیں۔

جواب: اس وقت عراق اور تیونس کے اندر بیٹے اور بیٹی کو برابر حصہ ملتا ہے۔ ترکی میں بھی پورا ملتا ہے۔ ترکی میں یہ قانون Swiss Code سے لیا گیا ہے۔ لیکن عراق اور تیونس میں اہلِ علم اس فیصلے پر اجتہاد کے ذریعے پہنچے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ مرد عورت پر قوام ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی آتا ہے کہ اس یہ ہے کہ مرد خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اگر دستور بدل جائے یعنی عورت ں مرد کے شانہ بشانہ کام کرے تو مرد کی فوقیت کی علت ہی بدل گئی، جب علت بدل گئی تو حکم بھی بدل جانا چاہیے۔ مَیں جرمنی میں تھا، مَیں نے وہاں ایک شخص سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا شاعری۔ مَیں نے پوچھا گزارا کیسے ہوتا ہے؟ تو اس نے کہا میری بیوی کالج میں پروفیسر ہے، اچھی بھلی تنخواہ مل جاتی ہے، اس سے گزارہ کر لیتے ہیں۔ خاکسار نے کہا اب آپ تو ''قوام'' نہ رہے جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہ بات میرے ذہن میں نہ تھی۔

سوال: عورت کی آدھی گواہی کا جو معاملہ ہے؟ کیا اس پر بھی غور ہو سکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب. اس وقت یہ اصول درست تھا۔ تب عورتوں کو اجتماعی اور معاشی امور کے ساتھ دلچسپی نہ تھی۔ اب چونکہ خواتین بھی میدانِ عمل میں آ گئی ہیں۔ بلکہ اعداد و شمار کے مطابق لڑکیاں زیادہ پڑھ لکھ رہی ہیں۔ وہ اب تجارت، صنعت، تعلیم میں کام کر رہی ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ناقص العقل ہیں اور اُن کی گواہی آدھی ہے۔ گولڈا میئر یا مارگریٹ تھیچر عورتیں ہی تھیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے، اُن کی رائے یا فہم نا قابلِ اعتبار تھی۔ یا یہ کہ اندرا گاندھی تو ناقص العقل تھیں اور یحییٰ خان بڑے فہیم آدمی تھے، یہ باتیں اور یہ تصورات تاریخ کے کباڑ خانے کی زینت بن چکے ہیں۔

سوال: لیکن عورت کی سربراہی پر تو اب بھی علماء کو اعتراض ہے۔

جواب: یہ اُن کا نقطۂ نظر ہے جو ایسا کہتے ہیں۔ مرد اور عورت ذہنی اور روحانی طور پر برابر ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ہونے والی جنگِ جمل میں کسی نے یہ طعنہ نہ دیا کہ وہ ایک عورت کی قیادت میں لڑر ۔

© rasailojaraid.com